جوش کی ترجمہ نگاری

شہناز اختر

Abstract :

Translation is at best at Echo "George Borrow". "Translation makes brige between the two nation" Josh Maleehabadi is a well-known poet and a writer. He wrote Auto-biography, essays, letters, columns, sketches and translations. He translated Persian, Gujrati and English poems and articles into urdu. In this particular essay, the writer discusssed the art of translation on Josh behalf with regards to the various aspects of translation. Josh has also tried to present the impressionistic translation of Surah Al-Rehman.

جوش ملیح آبادی نے نظم نگاری کے حوالے سے غزل، نظم، قطعہ پر رباعی، مرثیہ، سلام، قصیدہ اور مثنوی میں تو اپنی قادر الکلامی کے جلوے دکھانے کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں آپ بیتی نگاری، خطوط نگاری، مضمون نگاری، کالم نگاری، اداریہ نگاری کے ساتھ ساتھ ترجمہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

جوش کی ترجمہ نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے ہمیں یہ باور کرنا ہوگا کہ جوش کی زندگی کا طویل سفر ملیح آباد، لکھنؤ سے شروع ہوا پھر دکن، دہلی، ممبئی، پونا، کراچی اور اسلام آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ جوش کی ان گنت تحریریں ایسی ہیں جو ابھی پردۂ اخفا ہیں۔

منظوم تراجم کی ذیل میں پہلا قدم انہوں نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں اٹھایا۔ 1912 میں جب وہ طالب علم تھے، اپنے ایک استاد واجد علی شیدا کے کہنے پر انہوں نے انگریزی نظم لارڈ یولیسز ڈاٹر کا اردو نظم میں ترجمہ کیا لیکن یہ نظم تلف ہو چکی ہے۔

جی الانا کی ایک انگریزی نظم کو وحدتِ انسان کے عنوان سے نظم کیا:

اے دوستو! ساتھیو! رفیقو!
نفرت کی غذا نہ دو بشر کو

مے خانۂ روزگار میں یاں
چھلکاؤ شرابِ حُبِ انسان
بوئے گل کی چلت پھرت لو
باردو کی بُو میں سانس مت لو

جوش کے دارالترجمہ حیدرآباد میں ملازمت کے دوران ''حیات بیکن'' کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔لیکن یہ ترجمہ نایاب ہے اور دیگر گمشدہ ادبی ذخائر کی طرح ہوسکتا ہے کہ جوش کے خاندان کے کسی فرد سے کبھی دستیاب ہو جائے اور زیورِطبع سے آراستہ ہو جائے۔

ہمارے سامنے جوش کا جو ترجمہ شدہ سرمایہ موجود ہے اس میں ایک مضمون ''مسائل حیات'' کے عنوان سے ہے یہ جوش کے دارالترجمہ حیدرآباد دکن کی یادگار ہے جو کہ ماہنامہ ''کلیم'' دہلی کے جنوری ۱۹۳۶ء کے شمارے میں طبع ہوا اور پھر فروری، مارچ، اپریل، مئی تک لگا تار چھپتا رہا اس کی ایک قسط اکتوبر ۱۹۳۶ء ایک جنوری ۱۹۳۷ء اور آخری قسط فروری ۱۹۳۷ء میں طبع ہوئی۔

جون، جولائی، ۱۹۳۷ء کے شمارے میں جوش نے پنڈت برج موہن وتاتریہ کیفی کی ایک فارسی غزل کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔اور ''غزل مسلسل'' کا عنوان درج کیا۔مئی کے شمارے میں بھی یہ نظم درج ہے۔

جوش نے سورہ رحمٰن کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔سب سے پہلے یہ ترجمہ بیگم ثاقبہ رحیم الدین کی کتاب میں طبع ہوا۔جو کہ ''سورۃ الرحمٰن'' ایک منظوم تاثر'' کے عنوان سے درج ہے۔

مسائل حیات کے قسط وار مندرجات اس طرح ہیں۔یعنی جوش نے جو ابواب بندی کی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جنوری ۱۹۳۶ء
مسائل حیات، نقاد، کتاب،علم،حق وراستی،فطرت انسانیت
فروری ۱۹۳۹ء:
تاریخ،تمدن،محبت، حیات
مارچ ۱۹۳۶ء:
حیات،جنس، ازدواج
اپریل ۱۹۳۶ء:
سوسائٹی (سماج) اخلاقیات
مئی ۱۹۳۶ء
سیاست
اکتوبر ۱۹۳۶ء:

مذہب

جنوری ۱۹۳۷ء:

دینیات

فروری ۱۹۳۷ء:

فنون لطیفہ، عام پسند مغالطے، تجربہ، انجام

اب ہم جوش کی ترجمہ نگاری کا جائزہ ان کے مختلف تراجم کے حوالے سے لیتے ہیں بالخصوص ''مسائل حیات'' کے حوالے سے جائزہ لیا جائے گا۔

اگرچہ نثری ادب کے تراجم کے لیے مترجم کا مصنف ہونا ضروری نہیں مگر منظوم ترجمہ کرنے کے لیے لازمی ہے کہ مترجم ایک اچھا شاعر بھی ہو تا کہ اسے بحور اور اوزان کا مکمل شعور ہو اور وہ متبادل اسلوب تلاش کر سکے مثلاً شان الحق حقّی نے شیکسپیئر کی ''انتھنی اینڈ کلوپیٹرا'' کا ترجمہ ''زہرِعشق'' کے عنوان سے کیا اور بلینک ورس کو مثنوی میں تبدیل کر دیا لیکن ترجمہ اصل سے قریب ہے۔ دوسری طرف ایلیٹ کی ''Waste Land'' کے ترجمہ میں نامناسب بحر کے استعمال نے تہذیبی پس منظر بھی بدل دیا ہے۔ شاعری کے خیال کی تاثیر کی منتقلی مترجم سے تخلیقی صلاحیتوں کا تقاضا کرتی ہے یوں ترجمہ شدہ نظم جہاں اصل تخلیق کی نمائندگی کرتی ہے وہاں نئے پیرایۂ اظہار کی وجہ سے اس کی اپنی ایک الگ شناخت بھی بن جاتی ہے کیونکہ اس میں محض شاعر کا پیرایۂ اظہار ہی نہیں بلکہ مترجم کا لہو بھی شامل ہوتا ہے۔ ایسے ہی تخلیقی مترجم کو رچمنڈ لیٹیمور نے ''Auther Plus Translator'' کہا ہے۔ جوش نے جب صابر تھاریانی کے گجراتی قطعات کا منظور اردو ترجمہ کیا تو وہ ایسے ہی تخلیقی مترجم کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے صابر تھاریانی کے سو (100) سے زائد گجراتی زبان میں لکھے ہوئے قطعات کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ صابر تھاریانی نے آسان اردو میں گجراتی سے مفہوم کو منتقل کیا (خود کیا یا کسی سے کرایا اس کا علم نہیں) اور منظوم ترجمے کے لیے جوش کے حوالے کیا لیکن جوش کے رنگ نے ترجمے کو اصل سے بہتر ثابت کر دیا ہے۔ ایک قطعے کو ملاحظہ فرمایئے جس کا عنوان ہے ''چراغ طور''

پہلے ہم گجراتی زبان کا ترجمہ کردہ قطعہ دیکھتے ہیں:

شعلۂ ہجر سے تو نور ہو جا ۔ تو نور ہو جانا
نور بن کر تو بعید از دل نہ ہو جا ۔ دل سے دور نہ ہو جانا

تیرے اندر بھی پرتو نور خدا ہے...... ہو جا دنیا کے لیے تو چراغ طور ہو جا

اب جوش کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

چراغ طور

شرابِ عاشقی سے چور ہو جا
جو ممکن ہو سراپا، نور ہو جا
خدا کی شان پیدا کر چلن میں
ارے بندے، چراغِ طور ہو جا

(صابر کے موتی ص ۸۷)

جوش ملیح آبادی نے ''یادوں کی برات'' میں رابندر ناتھ ٹیگور پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اظہار خیال کیا تھا کہ شاعری کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا وہ لکھتے ہیں:

''...... میرا یہ دعویٰ ہے کہ شاعری ایک ایسی انوکھی اور دور از دست چیز ہے کہ اس کا ترجمہ قطعی طور پر ہو ہی نہیں سکتا۔ ترجمہ گھن ہے اور شاعری آ بگینہ، ترجمہ سنداں ہے اور شاعری سُبو، ترجمہ تند ہوا کا تھپیڑا ہے اور شاعری دریائے تخیل کا حباب اور میرے اس دعوے کے ثبوت میں طلب فرما لیجئے شاعری کے ان تمام ترجموں کو، جو اس دنیا میں آج تک ہو چکے ہیں...... اگر آپ عمیق نظر سے ان کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ وہ تراجم سونے کی ڈھیریاں نہیں، مٹی کے ڈھیلے اور سچ سچ کے لالہ وگُل نہیں، کاغذ یا پلاسٹک کے پھول ہیں۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

''میں یہ مان لینے پر اپنے کو آمادہ کرسکتا ہوں کہ شاعری کے ناقابل شمار دھاروں میں سے فقط ایک دھارے کو، کسی حد تک ترجمے کی گرفت میں لایا جا سکتا ہے، جس کو فکری شاعری کہتے ہیں یعنی جہاں تک شاعر کے مرکزی پیام اور اُس کے ٹھوس خیالات، فرمودات، نظریات اور کا تعلق ہے، اُن کا تقریباً کامیاب ترجمہ ہوسکتا ہے۔''(۱)

دراصل جوش کی یہ مراد نہیں کہ ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ ان کی مراد ہوتی ہے کہ ترجمہ کرنے والا شاعر کے احساس کی ہر پنکھڑی کے رنگ اور خوشبو کو محسوس ہی نہیں کر سکتا تو دوسروں کو کیا محسوس کرا سکے گا۔

یہاں جوش نے اپنے تراجم کے ذریعے اس بات کو خود ہی باطل کر دیا ہے کیونکہ جوش کے تراجم نے تخلیق کار کے قلم اور اس کے خیال کی ماورائی روش کو مصنف کے اپنے احساس کی درونی کروٹوں تک رسائی کو ممکن بنا کر ترجمہ کو اصل سے زیادہ اجاگر کر دیا ہے۔ اگر چہ کے جوش نے ''صابر کے موتی'' کے پیش لفظ میں اپنی عدم فرصتی کی وجہ سے ترجمے کے عجلت میں کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن جوش کے اس منظوم ترجمے میں شعریت اور ادبیت کے امتزاج کے پہلو بہ پہلو صابر تھاریانی کی تخلیقی تابناکی سے آگے جا کر جوش کی فکر کے دھارے کو چھو لیا ہے اور خیال کی یکسانیت نے گجراتی قطعات کو جوش کی رباعی سے فکری مماثل کر دیا ہے۔ پہلی مرتبہ جب قطعات طبع ہوئے تو نہ اُس میں گجراتی متن موجود تھا نہ اس کا اردو ترجمہ، صرف جوش کا منظوم ترجمہ موجود تھا لیکن کچھ مصرعے ایسے تھے جو کہ بے بحر تھے یا ان میں کوئی جھول تھا لیکن جب ڈاکٹر ہلال نقوی کو ممتاز شاعر نسیم امروہوی سے منظوم ترجمے کا قلمی مسودہ موصول ہوا تو موازنے سے معلوم ہوا کہ کاتب نے کتابت کرتے وقت کتنے مصرعے بے بحر لکھ دیئے تھے۔ صابر تھاریانی نے

بھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔ مثلاً مطبوعہ میں اور قلمی میں جو تفاوت ہے اس میں سے کچھ بطور امثال درج کرتے ہیں۔

(مطبوعہ) ہم وہ ہیں کہ دشتِ بلا سے گزرے

(قلمی) ہم وہ ہیں کہ جس دشتِ بلا سے گزرے

(مطبوعہ) اے شمع حقیقت ہم تیرے ہیں پروانے

(قلمی) اے شمع حقیقت ہم تیرے ہیں وہ پروانے

(مطبوعہ) جو نور سے جھلکے، وہ مری ذات نہیں ہے

(قلمی) جو نور سے جھلکے وہ مری ذات نہیں ہے

جوش ملیح آبادی نے ترجمہ نگاری میں اس امر کو رکھا ہے کہ الفاظ اور عبارت کا ترجمہ الگ الگ اصول کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا جائے۔ سید باقر حسین لکھتے ہیں کہ

> ''الفاظ اور عبارت کا ترجمہ کرنے کے علیحدہ علیحدہ اصول ہیں الفاظ کا ترجمہ کرنے میں میری رائے میں مندرجہ ذیل اصولوں کو سامنے رکھنا ہے۔
>
> ۱۔ ترجمہ صحیح ہونا چاہیے
>
> ۲۔ حتی الامکان عام فہم ہونا چاہیے۔
>
> ۳۔ سبک اور خوبصورت ہونا چاہیے۔''(۲)

جوش کی اسی خوبی کی بنا پر ان کا ترجمہ درست، عام فہم، سبک اور خوبصورت ہے۔ درست متن کی تفہیم کی روانی اور تسلسل قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ترجمے کا اصل مقصد عوام کو اُن تصورات سے روشناس کرانا ہے جو اصل متن میں موجود ہوں اگر ترجمے میں نقل بمطابق اصل والی بات نہیں تو ایک معمولی پڑھا لکھا شخص اُن تصورات سے کیسے آشنا ہو سکے گا کیوکہ جو خود پڑھ سکتے ہوں انہیں ترجمہ پڑھنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت درپیش نہیں آئی۔ ادب کے قارئین، نقاد یا ترجموں میں دلچسپی رکھنے والے باذوق افراد ان باریکیوں کو جانتے ہیں اور اسی حوالے سے کسی ادب پارے کے ترجمے کو پسندیدگی کی سند عطا کرتے ہیں۔

جوش نے لفظی ترجمہ کرتے ہوئے خیال رکھا ہے کہ بعض اوقات مصنف کتاب نے مترادف الفاظ درج کر دیئے ہیں تو عبارت کے لحاظ سے برمحل اور موزوں الفاظ کو منتخب کر لیا جائے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، مترادفات کے ترجمے میں کئی کئی مطالب بھی پیش کیے ہیں اور الفاظ کو ان کے خاص ماحول اور پس منظر کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ اگر ترجمے میں آنکھ بند کر کے ان کے مترادف رکھ دیئے جائیں تو بعض اوقات عبارت مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔''مسائل حیات'' کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''اس کائنات کی پہنائیوں اور وسعتوں کے مقابلے میں انسانیت اُس مینڈک یا چیونٹی کی مانند معلوم ہوتی ہے جو دلدل میں پھنسی ہوئی ہو۔ پھر بھی ہم میں سے بعض نہایت ہی شوخ چشمی کے ساتھ یہ دعویٰ کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ انہیں حق و راستی کا علم حاصل ہو گیا ہے جو

ایک بے پایاں وسعت ہے اور جس کا صرف ایک رُخ محض اُس مخصوص ذہنیت کے سامنے آ سکتا ہے جسے اُس رُخ کے ساتھ طبعی مناسبت ہو۔ مکمل حق ہمیشہ نامعلوم رہے گا تو پھر یہ معلومہ حق وراستی کیا ہے جز و یا کُل''۔(۳)

ایک اور لفظی ترجمہ کی مثال ملاحظہ فرمایئے۔

''یا ہمارے اکابر، ظالم، سفاک، شقی، قاتل اور خونی نہیں ہوتے، جو ہر نفس ہزاروں سروں اور لاکھوں دلوں کو توڑا کرتے ہیں۔''(۴)

منظوم لفظی ترجمہ کی مثال دیکھیے۔ یہ فارسی سے اردو نظم (غزل میں کیا گیا ہے۔(۵)

(فارسی)

ہاں بیانا ایں جہاں را عالمِ دیگر کُنم
شش جہت را از طلسمِ جذبِ دل ششدر کُنم
قطرہ را آبِ گہر بخشم زنیسانش سرشک
ذرہ راز از سوز دل ہم پر تو خاور کُنم

(پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی)

(اردو ترجمہ)

آہ کہ اس کون و مکاں کو عالمِ دیگر کروں
شش جہت کو جذب دل کے سحر سے ششدر کروں
قطرے کو نیسان چشم تر سے دوں آب گُہر
ذرے کو سوز جگر سے خسروِ خاور کروں

(جوش ملیح آبادی)

الفاظ کا ترجمہ کرنا تو پھر بھی آسان ہے لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ سید باقر حسین لکھتے ہیں؎

ایک طرف تو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہو، اصل عبارت کا محض لب ولہجہ یا تبصرہ نہ ہو، دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ ہاتھ سے نہ اُٹھ جائے۔(۶)

جوش جانتے تھے کہ ہر زبان کے مخصوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوب یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو نا صرف لفظی ترجمہ کرتا ہو بلکہ مرکزی خیال کو بھی ادا کرتا ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر جملے کی ساخت میں حسب ضرورت تبدیلی کرنا پڑتی ہے اور الفاظ گھٹانے یا بڑھانے پڑتے ہیں تاکہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے۔ جوش ''مسائل حیات'' کی تمہید میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

''انشائے ترجمہ میں ایک ایک خیال سے کئی کئی خیال پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور میں نے ہر خیال کو ذہن میں اچھی طرح پختہ کر کے اسی ترجمے میں لکھ دیا ہے، بعض مقامات کی طوالت کو تراش دیا ہے، اور بعض مختصر دامنوں میں کلیوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ گھٹا یا کم ہے، بڑھایا زیادہ ہے۔

البتہ بڑی حد تک اس کا لحاظ رکھا ہے کہ انگریزی کا طرز بیان ار''شری یوگندرا'' مصنف کتاب کا اسلوبِ نگارش اصل سے دور نہ ہونے پائے۔ ممکن ہے اردو کے خالص طرز بیان کی رو سے احباب کو بعض مقامات زیادہ پسند نہ آئیں لیکن میرے خیال میں اگر اردو میں مختلف زبانوں کے اسالیب بیان کی ماہرانہ طور سے آمیزش کر دی جائے تو ایک وسیع اور خوشگوار تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔(۷)

بعض اوقات کلمے کے ساتھ مہمل الفاظ بھی اضافی وزن کے ساتھ استعمال ہو جاتے ہیں۔ اگر ترجمہ کرنے والا ان باریکیوں سے آگاہ ہوگا تو وہ صرف بامطلب اور بامعنی الفاظ ترجمے کی طرف زور دے گا، باقی نظر انداز کر دے گا۔ جوش نے ترجمہ کرتے وقت لفظوں کے بامعنی استعمال کو ترجیح دی ہے، خواہ مخواہ کی لفاظی سے گریز کیا ہے۔

ترقی یافتہ زبانوں کے اکثر جملے پیچیدہ اور لمبے ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسالیب مقرر ہیں اور عام فہم ہو چکے ہیں لیکن اردو ابھی تک زیادہ پیچیدہ اور لمبے جملوں کی متحمل نہیں ہوسکی ہے۔ جوش نے اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے جملوں کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دینا ضروری سمجھا ہے۔ جملوں کی ساخت اور رموزِ اوقاف کے علم سے باخبر ہونے کی وجہ سے مناسب مقامات پر علامتوں کے استعمال، چھوٹے جملوں کو حروف عطف کے ذریعے جوڑ کر عبارت کی بہتر تفہیم کو ممکن بنایا ہے۔

''محبت، محبت کو دیکھنا چاہتی تھی، چنانچہ اُس نے کرشن کو پیدا کر دیا۔ شاعری، گنگنانا چاہتی تھی، چنانچہ اُس نے کالیداس کو پیدا کر دیا۔ بطلّیت (Heroism) حرکت پیدا کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اُس نے سیزر کو خلق کر دیا اور حکمت غور کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے ارسطو کو پیدا کر دیا۔ ان میں ایک فرد بھی اوتار، شاعر، بطل (Hero) اور فلسفی نہ تھا۔ بلکہ دراصل ان کی جگہ محبت، شاعری، بطلیت اور حکمت تھی جس نے اپنے کو ان افراد کی شکلوں میں ظاہر کر کے ہمیں ان کی تکریم پر مجبور کر دیا۔''(۸)

کسی بھی کام میں درجۂ کمال حاصل کرنے کے لیے محنت بنیادی شرط ہے اور ایک اچھا مترجم اپنے ترجمہ کے لیے وقت، محنت اور روپیہ صرف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا، بعض اوقات مناسب اسالیب کی تلاش میں مترجم کئی کئی مہینے کام کرتا ہے اور پھر بھی مطمئن نہیں ہوتا۔

جوش باوجود کہ ایک رئیس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن سحر خیزی اور محنت کی عادت (تحریروں کو کئی کئی بار کاٹنا اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہنا) ابتدا ہی سے جوش کا چلن رہا۔ بالخصوص اپنی سوانح حیات ''یادوں کی

برات'' کا مسودہ چار مرتبہ کاٹ چھانٹ کے بعد طبع کروایا۔ ترجمے میں بھی جوش مناسب الفاظ کی تلاش کئی کئی دن لگا دیتے تھے۔ پھر بھی مصنف کی منشا کو پیش کرنے والے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط کو ملحوظ رکھتے تھے یعنی منشائے مصنف مترجم کے پیش نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جوش کے تراجم کی تعداد انتہائی قلیل ہے کہ کسی کے نظریات کو بعینہ بیان کرنا ایک مشکل امر ہے۔ دارالترجمہ حیدرآباد کی ملازمت کے دوران اگر جوش چاہتے تو تراجم کے ڈھیر لگا سکتے تھے لیکن انہوں نے ان تحریروں کے متن کے تراجم کیے جن سے ان کو فطری میلان یا رغبت محسوس ہوئی یا جو حکیمانہ پہلو لیے ہوئے ہیں بالخصوص ''مسائل حیات'' اور ''صابر کے موتی'' وغیرہ۔ جوش ضرورتِ وقت کو مشغلۂ ادبی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''کیونکہ اربابِ علم ہی ہر قوم کے دماغ ہوا کرتے ہیں، اگر دماغ تندرست ہوتا ہے تو تمام اعضا و جوارح بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اس لیے میرے نزدیک ایسے مقالات کی بہت ضرورت ہے جو قوم کی بیماریوں کا علاج کر سکیں۔ میں اہل نظر سے عرض کرتا ہوں کہ وہ اس مقالے کو مشغلۂ ادبی کے طور پر نہیں ضرورتِ وقت کے نقطہ نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔ ممکن ہے مقلّد و جامد، اور حریت فکر سے ڈرنے والی سوسائٹی میں کچھ روشنی پیدا ہو جائے۔(۹)

جوش نے ترجمہ کرنے سے پہلے ان عوامل کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کی کوشش کی جن کے زیر اثر متن تحریر کیا گیا تھا۔ جوش نے اس کتاب میں دلائل و براہن، اور تشریح وتفسیر سے کام نہیں لیا کیونکہ مصنف نے بھی ہلکے پھلکے انداز میں زندگی کے چند اہم مسائل کی طرف، جن سے انسانی زندگی آ:ے دن دوچار ہوا کرتی ہے، چند پرمغز اور حکیمانہ اشارے کر دیئے تھے، جوش اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے خوف ہے کہ یہ اشارات ان افراد کے واسطے دلچسپ اور قابل فہم نہ ہوں گے، جن کا مطالعہ محدود اور تفکر نارسیدہ ہے، البتہ وہ حضرات جو حکیمانہ مزاج رکھتے ہیں، جو کارخانۂ عالم میں تدبر وتفکر کیا کرتے ہیں، جو حقائق زندگی اور اشیائے عالم کے مختلف پہلوؤں کے دیکھنے کی سعی کر چکے ہیں اور جو ہر ایک ذرے کو تمام دنیا کے پہاڑوں کے مقابلے میں مساوی اہمیت کے ساتھ تولنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں، وہ حضرات ان اشارات کو دلچسپ بھی پائیں گے، اور خیال انگیز بھی۔''(۱۰)

ویسے بھی جب آپ کسی چیز کو ہلکے پھلکے انداز میں دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ گویا زیادہ اثر انگیز پیرائے میں ان تک پہنچتی ہے کیونکہ بعض اوقات دلیل و منطق کی ثقاہت طبیعت کو بوجھل کر دیتی ہے۔ لیکن دلائل و براہین کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

جدید ذرائع آمدورفت کی وجہ سے اور میڈیا کی بدولت دنیا کے مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ اس صورت میں ایک بڑی مشکل زبانوں میں فرق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہاں ترجمہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ زبانیں لفظوں سے مل کر بنتی ہیں۔ جب دو زبانیں باہم ملتی ہیں تو نہ صرف ایک زبان کے الفاظ

دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ترجمے کے ساتھ ساتھ قوموں کی عملی تاریخ پھلتی اور بڑھتی ہے۔ ترجمہ گمان کا ممکن ہے اور اسے ممکن بنانے کے لیے مترجم کو اپنی شخصیت وحیثیت بھلا کر صاحب متن کی تخلیق میں انتہائی عاجزی کے ساتھ گھل مل جانا ہوتا ہے لیکن ترجمے میں وہ کلچرل اور لسانی دشواریوں سے دوچار ہوتا ہے۔ جوش نے ان لسانی اور کلچرل دشواریوں کو اپنے لغت پر ماہرانہ عبور اور انگریزی، لکھنوی، دہلوی اور پنجابی معاشرت سے آگاہی کی بنا پر بخوبی قابو پایا۔ چونکہ جوش نواب خاندان سے متعلق تھے۔ امراء و روساء کی محفلوں میں اٹھنا بیٹھنا تھا۔ حیدرآباد کی ریاست میں دس سال گزارے تھے اور انگریزوں سے بھی مراسم تھے۔ اس لیے جوش کے ہاں ثقافتی بُعد نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جوش کے خالص اردو کے طرز بیان سے ہوسکتا ہے۔ کچھ لوگ بعض مقامات کے ترجمہ کو پسند نہ کریں تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جوش زبانوں کے اسالیب بیان کی اردو میں آمیزش کو زبان اردو کے لیے ایک وسیع اور خوشگوار تبدیلی سمجھتے تھے جبکہ وہ لوگ ایسا نہ سمجھتے ہوں۔ جوش لکھتے ہیں۔

> ''کیا ہر زبان میں ''الوہیت''، ''تقدس'' اور ''نظم'' کے بے شمار الفاظ موجود نہیں ہیں، جنہیں ریاکار ان کے حقیقی معنوں سے محروم کر کے نوع انسانی کی معصوم اکثریت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ قوانین مذہب و اخلاق کی ترجمانیاں اور تاویلیں، ذہن و ریاکار افراد کے ہاتھوں میں مداریوں کے کرتبوں کی مثل ہوتی ہیں۔
>
> تم واقعات یا اشیا کے تاریک پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے اس وقت تک انکار کر سکتے ہو، جب تک کہ مجبور نہ ہو جاؤ، لیکن اگر اس زندگی کے حقیقی امور سے جو قطعی طور پر تاریک ہیں، تم نگاہیں پھیر لو اور زبردستی یہ کہنا شروع کر دو کہ ان میں روشنی کی ایک کثیر مقدار پائی جاتی ہے، تو کیا اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ تم نے ایک کامل ریاکار کا پارٹ کرنے کی مشق شروع کر دی۔''(۱۱)

افسانوی ادب کے ترجمے میں اصل متن کے ماحول کو مقامی معاشرت سے بدل دینے کی روایت بہت پرانی چیز ہے جس کا سلسلہ میر امن کی ''باغ و بہار'' سے شروع ہو کر موجودہ دور تک پہنچتا ہے۔ اس سے ترجمہ ''تخلیق سے قریب تر ہو جاتا ہے لیکن وہ تخلیق نہیں بن سکتا۔ ترجمہ دوسری تہذیب کو اپنے سانچے میں ڈھالنا نہیں بلکہ ایک نئی تہذیب کو متعارف کرانا ہے جس سے اپنی تہذیب میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اصل فن پارے کی وحدت برقرار رہتی ہے۔ جوش نے یہی کمال دکھایا ہے کہ اصل متن، اس کے اسالیب، ہیئت اور موضوعات کو اپنے ماحول کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کیا ہے۔ جوش نے دوسری زبان کی نثر (متن) کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے اپنے ماحول اور لسانی ضرورتوں سے اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ دونوں زبانوں کے اتصال نے ایک خوبصورت سنگم کو جنم دیا ہے۔ دونوں زبانوں پر کامل عبور اور قدرت نے مضمون میں پوشیدہ مفہوم کو قاری تک اس طرح منتقل کیا ہے کہ اس کے مطالعے کے بعد وہ کسی ابہام کا شکار نہیں ہوسکتا اور دونوں زبانوں کے مزاج، لغات، تراکیب، گرائمر اور اسالیب کو مترجم کے وسیلے سے سمجھنے کے قابل ہو سکے۔

جوش کی وسعتِ مطالعہ نے بھی اس کے کام میں عمدگی پیدا کی۔ فنونِ لطیفہ، ادب، فلسفہ، نفسیات، سائنس، مذہب، اقتصادیات اور سیاسیات غرض کہ ہر طرح کے مضامین کے بارے میں جوش کی وسعت مطالعہ نے ان کے تراجم میں مدد دی۔ لغت جوش کی ترجمہ نگاری میں ایک اہم ہتھیار کی صورت میں آئی ہے۔ جوش نے لغت دیکھنے کے سلسلے میں کبھی تساہل پسندی سے کام نہیں لیا۔ دارالترجمہ حیدرآباد اور ترقی اردو بورڈ کراچی میں کام کے دوران جوش نے لغت کی ترویج کے لیے کام کیا اسی لیے ان کے ہاں نادر مترادفات اور اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔ جوش کی ذہنی وسعت نے لغت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ مختلف علوم وفنون کا مطالعہ متن میں عمدگی لانے کے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ موضوع پر گرفت اسی صورت برقرار رکھ سکتا ہے جب مترجم اس کی مبادیات سے آگاہ ہو۔ مثلاً معاشیات کی کسی کتاب کا ترجمہ کرنے والا اسی وقت بہتر ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ موضوع سے مکمل مناسبت رکھتا ہو۔ جوش نے کتنی خوبی سے صاحبِ مضمون کے منشا کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

> ''خوش آوازوں کے گلے سے نکلی ہوئی شاعری ہزاروں سامعین کو دھوکا دے چکی ہے۔ کیا تم نے اچھے گوّیوں کے ترانوں کو کتاب کے اندر دیکھا ہے؟ اگر ان کی شاعری جس طرح انسان کے گلے سے نکلتے وقت وجد آفرین معلوم ہوئی تھی اُسی طرح مطبع کی مشین سے نکل کر بھی کیف انگیز ہے تو اسے ضرور تسلیم کرو۔ ورنہ آگاہ ہو کہ آوازوں کا اتار چڑھاؤ تمھیں دھوکہ دے کر تمہاری ہنسی اڑا رہا ہے۔ اور بزم شعروسخن میں تمہارا گلا پھاڑ پھاڑ کر تعریف کرنا، اہل نظر کی نگاہ میں تمہیں حقیر و ناقابل فہم ٹھہرا رہا ہے۔ فنونِ لطیفہ کا ہر وہ کارنامہ جو ہمارے تمام وجود کو ہلا اور لرزا دے سکتا ہے۔ اس قابل ہے کہ ہم اس کی پرستش کریں اور اسے لافانی ٹھہرائیں۔ ادب میں دیانت، موسیقی میں الہام، رقص میں وقار، صنم تراشی میں تناسب اور نقاشی میں خواب ہائے بیداری کی نمود، یہ تمام چیزیں انتہا درجے کی نادر اور فنون لطیفہ کے اجزائے لاینفک میں سے ہیں۔''(۱۲)

عمدہ تخلیق کے لیے جس علم، مشاہدے اور فنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے ترجمے کے لیے بھی انہی کیفیات اور فنی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مصنف کے تخلیقی عمل کی پیچیدگی تک رسائی حاصل کر کے اس کے نفسیاتی عمل کو بھی سمجھنا ہوتا ہے۔ جوش ادب میں فی زمانہ ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ادبی تحریکات سے بھی آگاہ تھے اور مختلف ملکوں میں آنے والے انقلابات کے معاشی، سیاسی اور نفسیاتی عوامل سے آگاہی نے ان کی ترجمہ نگاری میں خوبصورتی پیدا کر دی تھی۔ جوش نے خواہ مخواہ کی عبارت آرائی کی بجائے سادے طریقے سے ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں ضرورت پڑی ہے ترجمہ کو گھٹایا بڑھایا ہے۔ متن کی ضرورت کے پیش نظر بات کو مبسوط طریقے سے پیش کرنے کی کوشش میں جوش کامیاب رہے ہیں۔ جوش نے جس سلیقے سے ذخیرۂ الفاظ کو استعمال کیا ہے اُس نے ان کے ترجمے کے حسن کو دوبالا کیا ہے اور اس بات کی احتیاط کی ہے کہ اگرچہ وہ خود صاحب اسلوب مصنف ہیں لیکن ان کا یکساں اسلوب ترجمہ کو سپاٹ نہ کر دے لیکن ترجمہ کی اوٹ سے جوش کا انداز

بیاں پھر بھی اپنا رنگ دکھا دیتا ہے۔ تخلیقی آدمی کے اپنے رجحانات شعوری اور غیر شعوری طور پر ترجمہ کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ ''صابر کے موتی'' میں جوش کا اسلوب مصنف کے اسلوب پر چھایا ہوا ہے۔

سورۂ رحمٰن کا ایک منظوم تاثر پیش کرتے ہوئے جوش نے عربی کے اردو ترجمے کو منظوم صورت میں پیش کیا ہے۔ جوش نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے یا بامحاورہ ترجمہ ہے بلکہ انہوں نے ''سورہ رحمٰن ایک منظوم تاثر'' کے زیرِعنوان ترجمہ پیش کیا ہے۔ اسے ہم ترجمہ کہہ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی کیونکہ مصنف نے تاثراتی ترجمہ پیش کیا ہے۔ سورہ رحمٰن پڑھ کر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور انسان کی غفلتوں کا بیان تاثراتی انداز میں ذہن پر ثبت ہوتا ہے اسی کو جوش نے منظوم تاثر کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس میں خوبصورتی، روانی اور شدتِ تاثر موجود ہے۔ جوش لکھتے ہیں۔

۱۔ اے فنا انجام انساں کب تجھے ہوش آئے گا
تیرگی میں ٹھوکریں آخر کہاں تک کھائے گا
اس تمرّد کی روش سے بھی کبھی شرمائے گا
کیا کرے گا سامنے سے جب حجاب اٹھ جائے گا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

۴۔ پھول میں خوشبو بھری، جنگل کی بوٹی میں دوا
بحر سے موتی نکالے صاف، روشن، خوش نما
آگ سے شعلہ نکالا، ابر سے آبِ صفا
کس سے ہو سکتا ہے اس کی بخششوں کا حق ادا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

۵۔ خُلد میں حوریں تیری مشتاق ہیں، آنکھیں اٹھا
نیچی نظریں جن کا زیور، جن کی آرائش حیا
جن و انساں میں کسی نے بھی نہیں، جن کو چھوا
جن کی باتیں عطر میں ڈوبی ہوئی جیسے صبا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا(۱۳)

ڈاکٹر ہلال نقوی جوش کی ترجمہ نگاری کے بارے میں اس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ان کے شعری ترجمے محض ترجمے نہیں ہیں اس میں ان کی تخلیقی انفرادیت نے اپنی ایک شناخت قائم کی ہے۔ سورہ رحمٰن کے عربی اظہار کو انہوں نے اردو میں جو شعری پیکر عطا کیا ہے وہ اس کی بہت زندہ مثال ہے۔ یہ منظوم ترجمہ تو قرآنی حوالے سے ایک عالمانہ و مدبرانہ پیرائے بھی رکھتا ہے۔ جو اہل فکر و نظر اہل نقد اس سورہ کی حکیمانہ تفاسیر سے آگہی رکھتے ہیں۔ وہ جوش کے اس شعری اظہار کی معنویت کو زیادہ محسوس کر سکتے ہیں۔'' (۱۴)

اخباری تراجم کے لیے اسلوب کی سادگی اور عام فہم انداز اپنانا ضروری ہے۔ جوش کا مقالہ ''مسائل حیات'' ان کے رسالے ''کلیم'' میں قسط وار طبع ہوتا رہا۔ جو اسلوب کی سادگی اور عام فہم انداز کا مظہر ہے۔ غیر شخصی اسلوب کو نبھانا ایک مشکل امر ہے لیکن جوش اس سے بھی کماحقہ گزرے ہیں۔ مختصر وقت میں ترجمہ کرنے کی مہارت اور ترجمے پر نظر ثانی کی عادت کی وجہ سے جوش کے ترجمے پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوا۔

جوش نے ترجمے میں اختلافی امور والے موضوعات کو منتخب کرنے سے گریز کیا ہے۔ انہوں نے موضوعات وہ منتخب کیے ہیں جو عام فہم ہیں۔ مذہبی اور سیاسی امور کے تراجم بعض اوقات کسی فرقے کی دل آزاری کا سبب بن جاتے ہیں اس لیے جوش نے لسانی اور مذہبی منافرت پیدا کرنے والے امور کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجمے کے لیے نہیں چُنا۔

ترجمے میں مترجم کی ذات بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ترجمہ کی تکنیک آسان ہے مگر ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے شوق، صلاحیت، تربیت، ریاضت، سنجیدگی، جگر کاوی، اور مالی منفعت سے قطع نظر کرنا ضروری ہے۔ جوش کے ہاں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں۔

اردو ادب میں ترجمہ کی جس روایت سے جوش منسلک رہے اس سے آگے چل کر کئی نامور شخصیات شریک ہوئیں۔ قراۃ العین حیدر نے ہنری جیمز کے ناول ''ہمی چراغ ہمی پروانے'' کے نام سے ترجمہ کیا اور اسی دور میں عنایت اللہ نے رڈیارڈ کپلنگ کے ناول ''Kim'' کا ترجمہ ''ژلفی'' کے نام سے کیا۔ دانتے کی ''جہنم'' کا ترجمہ کیا اور اناطول فرانس کے ناول تائیس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد محمد حسن عسکری کا نام ابھر کر سامنے آتا ہے جنہوں نے ''سرخ فیتہ'' ''مادم بواری'' اور ''موبی ڈک'' کے نام سے بالترتیب استاں دال، فلوبیئر اور ہرمن میلول کے ناولوں کے ترجمے کیے۔ انتظار حسین نے بھی ''ناؤ'' اور دوسری کہانیوں کے تحت افسانوی کے تراجم کیے۔ سیدہ نسیم ہمدانی نے محمد حسن عسکری کی زیر نگرانی ''سیاہ ویران اندھیرا گھر'' اور ''بڈھا گوریو'' جیسے اچھے تراجم کیے۔ اس کے بعد کے دور میں محمد سلیم الرحمٰن (جہاں گرد کی واپسی) شاہد حمید (جنگ اور امن) ترجمے کے ضمن میں بڑے نام آتے ہیں۔ کچھ برسوں میں آصف فرخی اور اجمل کمال اچھے مترجم کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔

حوالے وحواشی:

(۱) ہلال نقوی، ڈاکٹر، یادوں کی برات کا قلمی نسخہ اور اُس کے گمشدہ غیر مطبوعہ اوراق، جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۳ء ص ۵۷-۳۵۶

(۲) سید باقر حسین، ترجمے کے اصول (مقالہ) کراچی: یونیورسٹی ستمبر ۱۹۵۰ء ص

(۳) جوش ملیح آبادی، مسائل حیات (ترجمہ) مشمولہ کلیم، دہلی: جنوری ۱۹۳۶ء ص

(۴) جوش ملیح آبادی، مسائل حیات (ترجمہ) مشمولہ کلیم، دہلی: فروری ۱۹۳۷ء، ص ۰۹

(۵) جوش ملیح آبادی، ''غزل مسلسل'' (ترجمہ) مشمولہ کلیم، دہلی: جون و جولائی، ص ۳۷

(۶) سید باقر حسین، ترجمے کے اصول (مقالہ) کراچی: یونیورسٹی، ستمبر ۱۹۵۰ء، ص

(۷) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: جنوری، ۱۹۳۶ء

(۸) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: فروری ۱۹۳۷ء ص ۳۸

(۹) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: جنوری ۱۹۳۶ء، ص ۴۰

(۱۰) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: جنوری ۱۹۳۶ء، ص ۴۲

(۱۱) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: فروری ۱۹۳۷ء، ص ۴۳

(۱۲) جوش ملیح آبادی، ''مسائل حیات'' ترجمہ مشمولہ کلیم، دہلی: فروری ۱۹۳۷ء، ص ۴۴

(۱۳) فرخ جمال ملیح آبادی، جوش میرے بابا، شخص اور شاعر، اسلام آباد: یورپ اکادمی، طبع اوّل فروری ۲۰۱۰ء ص ۱۵۷-۱۵۶

(۱۴) ہلال نقوی، ڈاکٹر، جوش ملیح آبادی، شخصیت اور فن، ص ۱۲۶